خضر حیات ٹوانہ اور پنجاب کی سیاست ۱۹۴۲ء-۱۹۴۷ء

ڈاکٹر فرح گل بقائی*

Abstract

Khizr Hayat Tiwana remained premier of Punjab from 1942 to March 1947. This period is very crucial in history of Punjab. The ruling forces of Punjab that was premier Khizar Hayat Tiwana, governor Sir Bertrand James Glancy (Governor Punjab) (April-1941 - April 1946) and later E.M. Jenkins (1946-1947)[1] wanted Punjab to be aloof from the general politics going on in India then. The general atmosphere in India was that people whether Hindus, Muslims, Sikhs and other minorities wanted independence from British. The Muslims were carrying the double harness; they wanted freedom from British as well independence from Hindu dominance. They desired for a homeland where they were in majority.

Khizr was not in mood to feel the pulse of time. He visited Britain, there he was told by the then conservative government led by Churchill that they will never leave India. In the end of 1945 Clement Richard Attlee (1945-1951) leader of the Labour Party took over rule in England and he announced transfer of power in India in the near future. Attlee's announcement made Khizr realize that things are on march for change. He thought it would be better that he should not stand in the way of Muslims. His relative Firoz Khan Noon had

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

earlier asked him not to stand in the way of Muslims and Pakistan. He resigned on 2nd March 1947. It was late, but atleast he made a right decision not to hamper the ride of Muslims to achieve their home-land.

مرکزی خیال

اِس مقالہ کا مقصد خضر حیات ٹوانہ کی سیاست کا جائزہ لینا ہے، جو ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ یہ مدت حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں بہت ہی اہم تھی۔ قائداعظم پنجاب کو پاکستان کا بنیادی ستون (پتھر) قرار دے رہے تھے اور اُس طرف پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی جو پنجاب کو مُلک گیر سیاست سے الگ تھلگ دیکھنا چاہتی تھی اور قائداعظم کی پنجاب کے معاملات میں مداخلت ناپسند کرتی تھی۔

پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ کا اثر و رسوخ اور مسلم لیگ کو نیچا دکھانے کی کوشش کامیاب تو رہی مگر اُس کا مسلمانوں کو کِس قدر نقصان ہوا یہ غور طلب بات ہے۔ ملکوں اور قوموں پر ایسا کڑا وقت آتا ہے جب ان کے لیے متحدہ محاذ بنا لینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ وقت اور حالات کی نزاکت کا ادراک نہیں رکھتے۔ اپنی ذاتی پسند ناپسند کے دھارے میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے ساتھ لاکھوں وابستہ لوگوں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ اس مقالہ کا مقصد سیاست کے طالع آزماؤں کے گوش گزار یہ بات کرنی ہے کہ جب وہ سیاست کے میدان میں قدم رکھیں بیرونی دنیا کی سیاست اور بدلتے حالات و واقعات میں اپنے ملک اور قوم کی ساکھ اور عزت کو مقدم رکھیں اور ذاتیات کی سیاست سے مکمل پرہیز کریں، اسی میں ان کی اور قوم کی بھلائی ہے۔

ملک خضر حیات ٹوانہ(۱۹۰۰ء-۱۹۷۵ء)

ملک خضر حیات ٹوانہ سروقد، بانکے، سجیلے، خوش لباس اور رنگین مزاج سیاست دان تھے۔[۲]

آپ ضلع سرگودھا کے سب سے بڑے ٹوانہ راجپوت برادری کے رکن ملک عمر حیات خان ٹوانہ (میجر جنرل) کے فرزند تھے۔ ایچی سن کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم

حاصل کی، ۱۹۱۸ء میں فوج میں کمیشن حاصل کیا اور میجر تک کے عہدے پر پہنچے۔ ۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخابات میں خوشاب کے حلقہ انتخاب سے بلا مقابلہ پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں جب محمد علی جناح نے پنجاب کے معاملات میں مداخلت کرنا چاہی تو خضر حیات کا اُن سے اختلاف ہوا۔ اِس کے بعد ۲۷ اپریل ۱۹۴۴ء کو انہیں مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں خضر دو نشستوں (ایک زمیندار اور دوسری یونینسٹ پارٹی) سے کامیاب ہوئے۔ لیکن ان کی پارٹی یونینسٹ پارٹی مسلم لیگ سے شکست کھا گئی۔ آپ نے کانگریس اور اکالی دَل (سکھوں کی پارٹی) سے اتحاد کر کے وزارت بنائی۔ آپ کی وزارت کے خلاف پنجاب میں مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو آپ نے ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو وزیر اعلیٰ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور عملی سیاست سے ریٹائر ہو گئے۔[۳]

ٹوانہ کا خاندانی پس منظر

شاہ پور کوہستان کے دامنی علاقہ میں ٹوانہ آباد ہیں اور انہوں نے پنجاب کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا، جو محض ان کی تعداد دیکھتے ہوئے مشکل نظر آتا ہے۔ انہیں پنوار راجپوت اور سیال و گھیا والے مورث اعلیٰ کی نسل سے ہی قرار دیا جاتا ہے، سیالوں کے ساتھ ہی آئے اور یقیناً پندرھویں صدی کے اختتام سے پہلے دریائے سندھ پر جہانگیر کے مقام پر آباد ہوئے لیکن انجام کار شاہ پور تھل میں اپنے موجودہ مسکن کو چلے گئے جہاں مٹھا ٹوانہ میں اپنا مرکزی قصبہ تعمیر کیا۔

ٹوانہ نیم گلہ بان، نیم کاشت کار قبیلہ، سپاہی پیدا کرنے والے مضبوط آدمیوں کی نسل ہیں۔ تاہم، ان کے اوصاف افسوس ناک طور پر جھگڑالو افتاد سے داغ دار ہیں۔[۴]

ٹوانوں کی لڑائیاں اکثر و بیشتر ساہیوال، مانکیرہ اور خوشاب کے سرداروں سے ہوتی رہتی تھیں۔ ۱۸۱۶ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ٹوانوں کے خلاف شردیوان چند کی سرکردگی میں ایک طاقتور فوج روانہ کی۔ سردار ملک خان محمد ٹوانہ نے شکست کھائی اور مٹھہ ٹوانہ اور نور پور تھل کے علاقے ۱۸۱۸ء میں معروف سکھ سردار ہری سنگھ نلوہ کو بطور جاگیر عطا کیے

گئے اور اس کی وفات کے بعد خان محمد ٹوانہ نے رنجیت سنگھ کی اطاعت قبول کر لی۔ ۱۸۲۱ء میں موخرالذکر نے ٹوانوں کو ساتھ ملا کر نواب مانکیرہ پر چڑھائی کر دی اور اس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس مہم میں اس نے ٹوانوں کی جنگی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے ۱۵ سواروں کا ایک دستہ اپنے ساتھ لاہور لے جانے کا حکم دیا۔ اس دستے نے بعد ازاں ملتان کی مہم میں اہم کردار ادا کیا۔۵

۱۸۲۲ء میں خان محمد ٹوانہ کو جھاوریاں، چھاچھر، سید رحمان اور بھیرہ کا علاقہ بطور جاگیر دیئے گئے۔ اس کے پوتے فتح خان ٹوانہ نے بھی بہت نام پیدا کیا اور لاہور دربار کی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد اس کے مخالفین نے اسے جیل میں ڈال دیا تھا۔ تاہم انگریز ریذیڈنٹ لیفٹیننٹ، ہربرٹ ایڈورڈ کی سفارش پر اسے رہائی ملی۔ اس دن سے ٹوانوں اور انگریزوں میں دوستانہ تعلقات کا آغاز ہوا۔ فتح خان نے ملتان کی بغاوت میں بھی انگریزوں سے وفاداری نبھائی اور بعد ازاں بنوں میں انگریز کے مفادات کی خاطر لڑتا ہوا مارا گیا۔۶

ملک خضر حیات ٹوانہ شاہ پور کے مُتمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ٹوانہ خاندان کی امتیازی حیثیت یہ تھی کہ ان کے یہاں گھوڑوں کی نسل کشی کا عمدہ انتظام تھا اور ایک زمین کا ایک بڑا رقبہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے وقف تھا۔ یہ گھوڑے نہ صرف جنگ کے لیے استعمال ہوتے بلکہ دوسرے ممالک سے بھی لوگ ان کو خریدنے کے لیے آتے۔ اس خاندان نے انگریزوں کا ساتھ ہمیشہ بڑے خلوص اور جواں مردی سے ساتھ دیا۔ ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں خضر حیات خوشاب سے کامیاب اُمیدوار قرار دیے گئے۔ وہ اسکندر حیات کی کابینہ کے وزیر منتخب ہوئے۔ آپ عموماً عامہ اور مقامی خود مختار حکومت کے وزیر تھے۔ آپ نے پنچایت کے نظام کو مؤثر بنایا تاکہ علاقے کے بزرگ اپنے علاقے کے مسائل خود حل کر سکیں۔

جب ۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کو پنجاب کے وزیر اعلیٰ اسکندر حیات اچانک رحلت فرما گئے تو اِن کی جگہ خضر حیات ٹوانہ وزیر اعلیٰ یعنی پنجاب کے وزیر اعظم بنے۔ اُس زمانے میں وزیر

اعلیٰ، وزیر اعظم ایک ہی عہدے کے دو نام تھے بنائے گئے۔۷

قائد اعظم اور خضر حیات کے اسکندر-جناح معاہدہ پر تحفظات تھے جس کو اس مقالہ میں تفصیل سے زیر بحث لایا گیا ہے۔

ملک عمر حیات خان نے دو شادیاں کیں۔ بڑی بیگم سے اُن کے یہاں ایک ہی اولاد ہوئی۔ اُن کے صاحب زادے ملک خضر حیات فوجی خدمات کے سلسلے میں والد کے نقش قدم پر چلے۔ ان خدمات کے علاوہ انہیں زراعت اور اس سے متعلق مشاغل کے ساتھ گہری وابستگی تھی اور وہ اپنی املاک ہی کے انتظام میں مصروف رہے اس لیئے کہ ملک عمر حیات خان کو گوں نا گوں مصروفیات کے باعث املاک کے انتظام پر زیادہ توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا تھا اور جب وہ انڈیا کونسل کے رکن بن کر ولایت چلے گئے تو املاک کا پورا نظم ونسق ملک خضر حیات ہی کو سنبھالنا پڑا۔۸

۱۹۳۷ء میں صوبائی خود اختیاری کا نظام جاری ہوا تو ملک خضر حیات خان پہلی مستقل وزارت پنجاب میں لوکل سیلف گورنمنٹ کے وزیر بن گئے۔ دسمبر ۱۹۴۲ء میں اسکندر حیات خان وزیر اعظم کی وفات پر ملک خضر حیات خان کو برسرِ اقتدار پارٹی کا بالاتفاق لیڈر چن لیا گیا اور وہ وزیر اعظم بن گئے۔۹

ابتدائی زندگی

ملک عمر حیات کے مطابق خضر حیات ۷ اگست ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش چک مظفر آباد میں ہوئی جہاں ان ننھیالی رہتے تھے۔ مسلمان ٹوانہ یہاں تقریباً سات صدیوں پہلے پہنچ گئے تھے۔ یہ شاہ پور کے علاقے پر قابض تھے۔۱۰

خضر حیات کی والدہ کا نام فتح خاتون تھا۔ وہ اَن پڑھ تھیں لیکن پنجابی زبان بڑی روانی سے بولتی تھیں۔ خضر اپنی والدہ کے بہت قریب تھے، کیونکہ ان کے والد زیادہ تر دہلی اور لندن میں دفتری (حکومتی) معاملات کے سلسلہ میں رہتے تھے۔ فتح خاتون کالرہ میں رہتیں اور عمر اپنی دوسری بیوی کے ساتھ سفر کرتے رہتے۔

فتح خاتون نے اپنے باپ ملک فتح خان سے بہت سی جائیداد وراثت میں پائی کیونکہ ان کا صرف ایک بھائی تھا۔ اس وجہ سے وہ مالی طور پر خود مختار تھیں۔ اگرچہ جائیداد کا انتظام فتح خاتون کے منشیوں کے ہاتھ میں تھا، پھر بھی اکثر وہ خود زمینوں پر جائیں اور اپنے مزارعوں سے معاملات طے کرتیں۔ خضر حیات نے ۱۹۲۰ء کی دہائی کے دوران کالرا کی زمینوں میں غیر معمولی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ انہی دوروں کے دوران انہیں اپنے ایک مزارع کی بیوی پسند آ گئی اور اس سے شادی کر لی۔فتح خاتون اور خضر نے کافی عرصے تک عمر حیات سے اس شادی کو راز میں رکھا۔[۱۱]

فتح خاتون ایک نیک اور پاک باز خاتون تھیں۔ انہیں صوفی ازم سے لگاؤ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گولڑہ شریف کے پیر سید مہر علی شاہ کی مرید ہوئیں۔ وہ اپنے خاندان کی پہلی شخصیت تھیں جو اس طرف مائل ہوئیں۔ اپنے پیر سے عقیدت کی خاطر ہر سال تین یا چار مرتبہ گولڑہ شریف جاتیں۔ سفر کا آخری حصہ وہ تانگے کے ذریعے طے کرتیں، جو سٹیشن سے مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن تک تھا۔ جب فتح خاتون ۳۵-۱۹۳۶ء میں خضر اور اپنے پوتے نذر حیات کے ہمراہ شملہ گئیں تو ان کا اصرار یہی تھا کہ بذریعہ راولپنڈی جایا جائے تاکہ وہ گولڑہ شریف کی زیارت کر سکیں۔ بعد میں وہ جب گولڑہ شریف گئیں تو انہوں نے پیر صاحب سے درخواست کی کہ آئندہ انتخابات میں خضر کی کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ تب پیر صاحب نے پیشن گوئی کی کہ خضر نہ صرف انتخابات میں کامیاب ہو گا بلکہ وہ وزیر بھی بنے گا۔[۱۲]

ایچی سن (اسکول) کالج

انگریزوں کی تعلیمی پالیسی نے بھی مقامی زمینداروں میں حکومت کے لیے وفاداری کے عنصر کو پیدا کرنے اور اُسے مزید پختہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ایچی سن (اسکول) کالج کی بنیاد ۱۸۸۶ء میں رکھی گئی تاکہ بڑے زمینداروں کے بیٹے تعلیم حاصل کریں۔ اس ادارے کے طلباء مستقبل کے افسر اور پارلیمنٹیرین بننے کی ابتدائی تربیت کالج کونسل آف سٹیٹ میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہو کر حاصل کرتے تھے۔کونسل آف سٹیٹ بہت سے

طالب علموں کو فی البدیہہ تقریر کرنے کے فن میں طاق کر دیتی تھی۔ چنانچہ ایچی سن کالج سے فارغ التحصیل طلباء کی بڑی تعداد بعد میں سیاست کے افق پر روشن ستاروں کی طرح چمکی، جن میں سب سے معروف خضر حیات خان ٹوانہ تھے جو کالج میں نمایاں طالب علم تھے۔۱۳

تعلیم

ایچی سن سے فارغ ہونے کے بعد خضر حیات نے ڈپلومہ کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور سال دوم کے طالب علم تھے کہ پہلی جنگ عظیم میں رضا کاروں کی بھرتی کے لیے تعلیم چھوڑ دی۔ خود بھی فوج میں بھرتی ہوئے اور ۱۹۱۸ء میں کمیشن کیولری اور پھر پندرھویں لانسرز سے وابستہ رہے۔ تیسری اینگلو ایڈین افغان جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ فوج سے واپس ہوئے تو اپنی جاگیر کا انتظام سنبھالا۔ ۱۹۱۹ء میں پنجاب کے ہنگاموں اور ۱۹۲۰ء میں عدم تعاون تحریک کے دوران امن و امان کی صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لیے انگریز حکومت سے بھرپور تعاون کیا۔ ۱۹۲۲ء کے بعد جھنگ اور شاہ پور کے اضلاع میں اعزازی ریکروٹمنٹ آفیسر رہے۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء کے دوران دوبارہ فوجی خدمات انجام دیں۔ شمال مغربی سرحدی علاقے میں شورش کو دبانے میں حکومت کی مہموں میں بھرپور حصہ لیا۔ شاہ پور ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیئر مین رہے۔ ممبر سلیکشن بورڈ، پنجاب کے وزیر تعلیم، رائل انڈین ملٹری کالج ڈیرہ دون کی سلیکشن کمیٹی کے ممبر رہے۔۱۴

انگریزوں کی مہربانیاں

مغربی پنجاب کی مسلم اشرافیہ کو انگریز سرکار نے انعام کے طور پر نقد رقوم اور زرعی زمین کی الاٹمنٹ کے علاوہ اور طریقوں سے بھی نوازا۔ سرکار نے فیاضی کے ساتھ اعزازی خطبات اور عہدے بھی بانٹے۔ اسی ضمن میں خضر حیات کے والد عمر حیات خان ٹوانہ کو جنگ کے دوران شاندار خدمات سرانجام دینے کے عوض نائٹ کے رتبہ سے سرفراز کیا گیا۔

وفاداری کے بدلے میں اس طرح کے خطابات حاصل کیے جانے کو ایسے معاشرے میں عزت افزائی کا بہترین ذریعہ تصور کیا جاتا تھا، جس میں فرد اور خاندان کی عزت و وقار کو بے حد اہمیت دی جاتی ہو۔[۱۵]

انگریز حکمرانوں کے لیے ٹوانہ خاندان کی خدمات

خضر حیات کے پردادا ملک فتح شیر خان نے نہ صرف ۴۸-۱۸۴۹ء میں انگریزوں کی سکھوں کے ساتھ آخری لڑائی میں ملتان میں چارسو گھڑ سواروں کے ساتھ ایڈورڈ لارنس کی مدد کی تھی بلکہ اس نے ۱۸۵۷ء میں غدر کے دوران سب سے پہلے پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کے چیئر مین جان لارنس کو امداد بھی دی۔ وہ ایک تازہ دم گھڑ سواروں کی ایک رجمنٹ تیار کر کے انگریزوں کی ہریانہ فورس کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ ملک فتح شیر اور اس کے لشکر نے بہار، بنگال اور جمال پور میں بڑی بہادری کے ساتھ انگریز فوجوں کی اعانت کی تھی اور باغیوں کا قلع قمع کیا تھا۔ جب دہلی میں باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو ٹوانوں کے لشکر کو کرنل جیرالڈ کی فوج کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔ اس لشکر نے ٹرنول کی لڑائی میں اچھی کارگزاری کا مظاہرہ کیا، جس کی وجہ سے باغیوں کو مکمل طور پر شکست ہوئی اور انہیں بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔[۱۶] خضر حیات ٹوانہ کے خاندانی حالات اور پس منظر اس لیے بیان کئے گئے کہ تحریر کردہ تفصیل کو سمجھنے میں آسانی ہو کہ خاندان کا ریکارڈ بھی قوموں اور فرد واحد کی زندگی میں کتنا اثر ڈالتا ہے۔

جناح اور خضر چپقلش۔ تحریک پاکستان کے تناظر میں

پنجاب کے بہت سے سیاسی قائدین نے مسلم لیگ میں اس وقت شمولیت اختیار کی جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب ہندوستان کی سیاست میں ایک بھونچال آنے والا ہے۔ سیاسی طالع آزما عام طور پر ہوا کے رخ پر ہی سفر کرتے ہیں اور وقت و حالات میں اپنے فائدہ کا سودا طے کرتے ہیں۔

خضر حیات نے اِس موقع پر جناح کے سامنے گھٹنے محض اس لیے نہیں ٹیکے تھے کہ

وائسرائے ویول نے فروری ۱۹۴۴ء کی تقریر میں برصغیر کی تقسیم کو خارج از امکان قرار دیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے گورنر گلینسی کی زبردست پشت پناہی حاصل تھی جس نے شوکت حیات خان کو عین اس دن برطرف کیا تھا کہ جب جناح خضر مذاکرات کی ناکامی کا اعلان ہوا تھا۔ خضر حیات کی تعلیم بالکل واجبی سی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ جب تک ان کو لاٹ صاحب کی سرپرستی حاصل رہے گی اس وقت تک کوئی ان کو اقتدار کی کرسی سے نہیں ہٹا سکے گا۔۱۷

جناح نے یہ کارروائی اس لیے کی تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ جنگ ختم ہونے والی ہے اور اس کے خاتمہ کے بعد عام صوبائی انتخابات ہوں گے جو گزشتہ دو سال سے معرضِ التواء میں پڑے ہوئے تھے۔ پنجاب کے ان متوقع انتخابات میں مسلم لیگ کا یونینسٹ پارٹی سے الگ جماعت کی حیثیت سے حصہ لینا ضروری تھا، تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ مسلم لیگ واقعی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اس سے تصفیہ کیے بغیر ہندوستان کے آئینی مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔۱۸

پنجاب مسلم لیگ یونینسٹ کے اکھاڑے میں

۲۱ دسمبر ۱۹۴۴ء کو مسلم لیگ کی اسمبلی پارٹی کے عہدیداروں کا انتخاب ہوا، جس میں خان افتخار حسین خان آف ممدوٹ کو لیڈر منتخب کیا گیا۔ سردار شوکت حیات خان کو ڈپٹی لیڈر، میاں الہ یار دولتانہ کو چیف وہپ، میاں نور اللہ، سیکرٹری اور رانا نصر اللہ کو اسسٹنٹ وہپ بنایا گیا۔ ممتاز دولتانہ کو پارٹی میں کوئی عہدہ نہ ملا۔ ۵ دسمبر کو مسلم طلباء نے صوبائی اسمبلی کے سامنے یونینسٹ پارٹی کے خلاف اور مسلم لیگ کے حق میں مظاہرہ کیا۔ اگرچہ مظاہرین کو پولیس نے فوراً منتشر کر دیا مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خضر وزارت کے مسلم ارکان کی وفاداری متزلزل ہو گئی اور عوام الناس میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی جدوجہد کا رخ دراصل برطانوی سامراج کے ہمدرد جاگیرداروں کے خلاف ہے۔۱۹

پنجاب میں مسلم لیگ نے کیسے جگہ بنائی؟

جب جنوری ۱۹۴۵ء میں وائسرائے ویول نے بمبئی کے گورنر کی وساطت سے یہ

کوشش کی کہ مرکزی اسمبلی میں کانگرس پارٹی کے لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی اور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر نواب زادہ لیاقت علی خان کے درمیان مرکزی حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں جو سمجھوتہ ہوا ہے اس پر عمل ہو جائے اور جناح نے اس تجویز کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ مجھے اس سمجھوتے کا کوئی علم نہیں تو پنجاب کے مسلم درمیانے طبقے میں مسلم لیگ کا وقار اور بھی بلند ہو گیا اور انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کا لیڈر نہ صرف کانگرسی لیڈروں اور وائسرائے سے سر اٹھا کر بات کر سکتا ہے بلکہ وہ ان کی تجاویز کو پائے حقارت سے ٹھکرا بھی سکتا ہے۔ پنجابی مسلمانوں کی نظر میں قائداعظم اور بھی بڑے قائد بن گئے۔ اب مسلمان رفتہ رفتہ اپنے دیرینہ احساس کمتری سے باہر نکل رہے تھے۔[۲۰]

تاہم مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کے خلاف ہر نوع اور ہر رنگ کے فتویٰ فروش مُلاّؤں کی متحدہ یلغار کے باوجود ۴۵-۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔ دسمبر ۱۹۴۵ء کے مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں لیگ نے تمام مسلم نشستیں جیت لیں۔ اس کی یہ سو فیصد کامیابی ہندوستان کے انتخابات کی تاریخ میں ریکارڈ کی حیثیت رکھتی تھی اور ۱۹۴۶ء کے اوائل کے صوبائی انتخابات میں لیگ نے پنجاب کے کل ۸۶ مسلم حلقوں میں سے ۷۵ حلقوں میں کامیابی حاصل کی۔[۲۱]

صوبائی وزیر اعظم ملک سر خضر حیات خان اور یونینسٹ پارٹی کا سیاسی جنازہ نکل گیا۔ اس کے کامیاب مسلمان ارکان کی تعداد دس گیارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ جماعت اسلامی، مجلس احرار، جمعیت العلمائے ہند، آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور بہت سی جماعتوں کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ وہ تحریک خلافت کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا رہے تھے کہ مذہب مسلم رائے عامہ کا رُخ متعین کرتا ہے اور ''علمائے دین'' انہیں نکیل سے پکڑ کر جس طرف چاہیں لے جا سکتے ہیں۔ وہ معاشرتی ارتقاء کے اس قانون سے ناآشنا تھے۔ کہ ہر مذہب و ملت کے عوام اپنے فکر و عمل کا تعین اپنے معاشرتی و معاشی تقاضوں کے تحت کرتے ہیں۔ عوام الناس کا مذہب مفاد پسند مذہبی پیشواؤں کے مذہب سے مختلف ہوتا ہے۔ عوام الناس اپنے مذہب کی تعبیر اپنی معاشرتی ضرورتوں کے مطابق کرتے ہیں۔[۲۲]

ٹوانہ اور جنگوں میں انگریزوں سے وفاداری، ۱۸۵۷ کی مہمات، افغان شورش، پہلی اور دوسری جنگِ عظیم

سرگودھا کے بڑے جاگیردار ٹوانے، نون اور قریشی تھے۔ جن میں ٹوانے اور نونوں نے ۱۸۴۹ء، ۱۸۵۷، اور پھر پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ ان بڑے خاندانوں کے علاوہ یہاں انگریز کے وفاداروں میں سفید پوشی، کرسی نشین، اعزازی ذیلدار، نمبردار، ڈویژنل اور صوبائی سطح کے درباری، خطاب یافتہ افراد، خان بہادر، رائے بہادر، "OIB" اور انعام خور وغیرہ بھی موجود تھے۔ ذیلداروں اور انعام خوروں کے معاوضہ جات اسّی روپے سے تین صد روپے تک تھے۔[۲۳]

پہلی جنگ عظیم کا آغاز ۱۹۱۴ء میں ہوا۔ انگریزی حکومت زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کو فوج میں بھرتی کر کے جنگ پر بھیجنا چاہتی تھی۔ ۱۹۱۶ء تک ۲۳۵،۰۰۰ سپاہی بھرتی کئے جاچکے تھے۔ جن میں۱۱۰،۰۰۰ افراد پنجابی تھے۔ لیکن یہ تعداد ناکافی ہونے کی بنا پر ۱۹۱۷ء میں بھرتی کے لئے ایک مرکزی بورڈ قائم کیا گیا۔ جس نے اگلے سات ماہ کے دوران پنجاب سے۹۵،۰۰۰ سپاہی بھرتی کئے اور اس مقصد کے لیے ہر ممکن تشدد اور جبر سے کام لیا گیا۔ حکومت کی ان زیادتیوں کی بنا پر ضلع سرگودھا میں بلوے اور فسادات برپا ہوئے۔ جھاوریاں کے قریب موضع لک میں جبری بھرتی کے خلاف احتجاج ہوا جس پر پولیس نے فائرنگ کر کے متعدد افراد کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح بھلوال کے موضع ''بہک لہر کا'' میں تحصیلدار کو اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ جوان بھرتی کرنے کے لیے اس گاؤں پہنچا۔ اس جرم کی پاداش میں نمبردار، ذیلدار کو پھانسی دی گئی جبکہ پانچ افراد کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ علاقے کے امراء اور جاگیرداروں نے حکومت کی اس جبری لام بندی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

انہوں نے اپنے اپنے علاقوں کے نوجوان بھرتی کرانے کے علاوہ دامے، درمے، قدمے، سخنے حکومت کی مدد کی جس کے عوض انہیں بیش قیمت اراضی انعام دی گئی۔ ایک رپورٹ کے مطابق سرگودھا کے جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں نے مجموعی طور پر ۸۴ مربع (۲۱۰۰/ایکڑ) اراضی حاصل کی۔ انفرادی طور پر ایک مربع سے پندرہ مربع اراضی تک ان

ضمیر فروشوں کو انگریز سرکار کی طرف سے انعام کے طور پر عطا کی گئی۔۲۴

نور پور تھل اور خوشاب کے جنوب میں ٹوانہ صاحبِ حیثیت زمیندار ہیں۔ انہوں نے اپنے حقوق خود حاصل کئے ہیں۔ ان کی اعوانوں سے سخت لڑائیاں رہیں۔ بعد ازاں یہ لوگ رنجیت سنگھ کے ماتحت ہو گئے۔ لیکن انگریزوں اور سکھوں کی جنگوں میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔

پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور بقول انگریزوں کے غدر(Revott) بھی انہی (انگریزوں) کا ساتھ دیا اور اس کا صلہ حاصل کیا۔ ان میں اکثر فوجی ہیں اور انہوں نے ۱۹۱۴ء کی پہلی عالمی جنگ میں بھرتی کے لیے زیادہ سے زیادہ سپاہی فراہم کیے۔ تحصیل شاہ پور میں ان کے ۱۲ گاؤں اور تقریبات ۳۰،۰۰۰ ایکڑ اراضی ہے۔ تعداد میں کم ہونے کے باوجود ان لوگوں نے بہت سے اعزازات حاصل کیے۔ مٹھہ ٹوانہ، ہڈالی اور حموکا ان کے مشہور گاؤں ہیں۔ کہاجاتا ہے کہ وہ پنوار راجپوت تھے غالباً پندرہویں صدی عیسوی میں پنجاب آ کر آباد ہوئے اور اسلام قبول کیا۔۲۵

جنگ اور خضر۔ کا وزیر اعلیٰ،وزیر اعظم منتخب ہونا

گلینسی (گورنر پنجاب) نے خضر حیات ٹوانہ کو اس لیے وزیر اعلیٰ منتخب کیا کہ خضر ''مارشل قوم'' کا فرد تھا اور اس کے خاندان کی انگریزوں سے وفاداری کی تاریخ ۱۸۵۷ء سے پہلے کی تھی۔ چنانچہ خضر اس عہدے کے لیے مناسب شخص تھا۔

۳۱ دسمبر ۱۹۴۲ء کی صبح خضر نے برٹرنڈ گلینسی کے ساتھ ناشتہ کیا، لیکن اس موقع پر ہونے والی گفتگو میں سیاست کی بجائے پولو، گھوڑے اور شکار موضوع بحث رہے۔ جب خضر رخصت ہو رہا تھا تو گلینسی ہر طرح کے سرکاری آداب(Protocol) کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خضر کے پیچھے لپکے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے ''تمہیں مستقبل میں اپنے بارے میں زیادہ سنجیدہ رویہ اختیار کرنا ہو گا۔''

خضر پنجاب کا سب سے کم عمر وزیر اعلی تھا اس کی عمر صرف بیالیس برس تھی۔۲۶

انگریز حکمرانوں کے لیے ٹوانہ خاندان کی خدمات

ملک خضر حیات خان کے دادا خان بہادر ملک صاحب خان نے ۱۸۴۸ء میں ایک سکھ سردار بھائی مہاراج سنگھ کا تعاقب کر کے اسے اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ وہ ساہیوال کے لنگڑ خان کے ساتھ طویل مسافت طے کر کے جھنگ پہنچا تھا اور بھائی مہاراج سنگھ پر حملہ میں شریک تھا۔ اس لڑائی میں صاحب خان خود بھی لڑا تھا۔ اس نے مہاراج سنگھ کے کئی پیروکاروں کو ہلاک کیا تھا۔ بعد ازاں صاحب خان اپنے آدمیوں کو ملتان لے گیا تھا اور وہ اس شہر کے محاصرے کی ابتداء میں وہاں موجود تھا۔ وہاں سے اس نے انگریزوں کی ہدایت کے مطابق چاچراں کے مقام پر سکھوں پر حملہ کر کے انہیں شکست دی اور ان کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ مئی ۱۸۵۷ء میں جب غدر کا آغاز ہوا تو صاحب خان نے ۳۰۰ گھڑ سواروں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا جس کی مدد سے اس نے پہلے جہلم اور پھر انبالہ میں باغیوں کے خلاف انگریزوں کی امداد کی۔ یہاں صاحب خان کی تجویز کردہ تدابیر کے مطابق عمل کیا گیا اور دو سو باغیوں کو گولی چلائے بغیر پکڑ لیا گیا۔ یہ کارروائی مکمل ہوئی تو اس لشکر کو کانپور بھیجا گیا، جہاں اس نے جمنا کے راستے کی کامیابی سے نگہبانی کی۔ اس نے کلبی کے مقام پر ان مزدوروں کی حفاظت کی جو توپ خانہ نصب کرنے کے کام میں مصروف تھے اور پھر اس پر وسطی ہندوستان کے جنرل نیپئیر (Napier) کا ساتھ دیا اور یہ ہر لڑائی میں آگے ہوتا تھا۔[۲۷]

ملک خضر حیات خان کے والد ملک عمر حیات خان نے پہلی جنگ عظیم میں تیسری افغان جنگ میں اور ۱۹۱۹ء کے بلوؤں میں جو خدمات انجام دیں وہ سر لیپل(Lepel) کے بیان کے مطابق اتنی زیادہ اور اتنی گراں قدر ہیں کہ انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صوبائی کونسل کا پہلا رکن تھا جس نے جنگ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ چنانچہ اسے ہندوستانی فوج کے ساتھ فرانس بھیجا گیا، جہاں وہ فیروزپور بریگیڈ میں شامل تھا، جو اکتوبر ۱۹۱۴ء کی پسپائی کے موقعہ پر فائرنگ لائن میں سب سے آگے تھا۔ انہیں میسوپوٹیما (عراق) میں جاسوسی اور عراق اور فرانس میں خدمات کے اعتراف میں ''سر'' کا خطاب دیا گیا تھا۔[۲۸]

جب یہ اِن محاذوں سے واپس آئے تو نئے رنگروٹوں کی بھرتی میں بہت مدد کی۔ اس نے اپنی جاگیر کے بہت سے لوگ بھی فوج میں بھرتی کروائے۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے خرچہ پر کیا تھا اور پوری جنگ میں اس نے حکومت سے کوئی مالی امداد نہیں لی تھی۔ تاہم اسے مالیہ میں چھوٹ اور انگرو بیج (Engro Seeds) دیا گیا تھا۔[۲۹]

جب ۱۹۱۹ء میں پنجاب میں بلوے ہوئے اور افغانستان کے ساتھ انگریزوں کی تیسری جنگ ہوئی تو عمر حیات خان نے حسب سابق انگریزوں کی امداد میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ جب بیراکالیوں نے شورش کی تھی تو انہوں نے ۱۵۰ گھڑ سواروں کے ساتھ سول انتظامیہ کی اعانت کی تھی۔ اس کے اس لشکر کے ایک حصے کو کھیوڑہ کان (سالٹ رینج) کے ''ڈاکوؤں'' کے خلاف بھی استعمال کیا گیا تھا۔ لہٰذا جب یہ انڈین کونسل کا رکن بنا تھا تو اسے پورا کرنل بنا دیا گیا اور شہنشاہ معظم کا اے ڈی کیمپ مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے بیٹے ملک خضر حیات خان نے بھی ۱۹۱۸ء میں قابلِ قدر جنگی خدمات سر انجام دی تھیں، چنانچہ اس کا گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں سپیشل ڈیوٹی کے لیے انتخاب ہوا تھا۔ اس نے تیسری افغان جنگ میں بھی لاہور ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کے اے ڈی سی کی حیثیت سے اتنا اچھا کام کیا تھا کہ اسے افغان میڈل رکھنے کے لیے سول انتظامیہ کی امداد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔[۳۰]

خضر سیاسی لحاظ سے نسبتاً تجربہ کار شخص تھے۔ وہ اپنے مخصوص سماجی پس منظر کی وجہ سے پنجاب میں جاری جنگی کاوشوں کو صحیح خطوط پر جاری رکھنے اور یونینسٹ اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے موزوں ترین شخصیت تھے۔ ٹوانے بذات خود جنگجوانہ روایات کے حامل تعداد میں رنگروٹ فراہم کرتے رہے تھے۔ رنجیت سنگھ کے عہد میں ٹوانہ گھڑ سوار فوج کا اہم ترین حصہ تصور کیے جاتے تھے۔ ٹوانوں نے انگریزوں کی سکھوں کے خلاف جنگوں کے دوران اپنی وفاداری کو تبدیل کر لیا اور انگریزوں کے وفادار ساتھی بن گئے۔ حتیٰ کہ جنگ آزادی کے دوران بھی ٹوانوں نے ثابت قدمی سے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ خضر بھی اپنے اجداد کی روایات کے امین نکلے۔[۳۱]

چنانچہ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں اپنی پڑھائی تک ترک کر کے پہلی جنگ

عظیم کے دوران فوج کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس طرح خضر نے ۱۹۱۸ء میں اُنیس برس کی کم عمری میں فوج میں شمولیت اختیار کی۔۳۲

ٹوانوں کی پنجاب کے دوسرے زمیندار قبائل میں بے حد عزت و توقیر تھی۔ کیونکہ وہ خود ضلع شاہ پور کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ خضر کے والد سر عمر حیات خان ٹوانہ اپنے قبیلے کی مٹھا ٹوانہ شاخ کے سربراہ تھے۔ کالرا کی جاگیر جہاں پر خضر کی تمام تر جاگیردارانہ تزک و احتشام کے ساتھ پرورش ہوئی، راولپنڈی ڈویژن کی بہترین زرعی اراضی تصور کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں صوبے کا سب سے بڑا گھوڑوں کا فارم کالرا کا خصوصی امتیاز تھا۔۳۳

انگریزوں سے وفاداری

خضر حیات خان اکثر کہتے تھے کہ انہوں نے پنجاب کی باگ ڈور اس وقت سنبھالی جب ملک بہت ہی نازک دور سے گزر رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کا عرصہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم جاری اور ساری تھی۔ انگریز انڈیا کے مشرقی ممالک سے نبرد آزماء تھا۔ جاپانی ہندوستان کی طرف پیش قدمی کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ وہ ملائے(Malaya) کی سرحدیں عبور کرتے ہوئے سنگاپور میں داخل ہو چکے تھے۔ بقول چرچل سنگا پور میں انگریز فوج کا ہتھیار پھینک دینا بہت ہی شرمندگی کا باعث تھا۔ بہت سے برطانوی، آسٹریلوی اور ہندوستانی فوجی جاپانیوں کی قید میں چلے گئے۔

سبھاش چندر بوس جو نہرو کا مخالف تھا، اس نے اس قید کے جو جاپانیوں نے ہندوستانی فوجی قید کیے تھے دوران جنگ چالیس ہزار فوجی جو پنجابی فوج کے یونٹ کے تھے ان سے ایک انڈین نیشنل فوج تشکیل دی۔ یہ فوج گو کہ انگریزوں کے لیے کوئی خطرہ کی علامت نہ تھی کیونکہ اس میں ایسے فوجی تھے جو انگریزوں کے وفادار تھے اور ان کا تعلق پنجاب کے اس آزمودہ خاندانوں سے تھا، جنھوں نے ۱۸۵۷ کی جنگ کے بعد انگریزوں کو حیات نو بخشی تھی اور انہوں نے نویں(۹۰) سال مزید ہندوستان پر حکومت کی۔۳۴

اسکندر نے ۱۹۴۲ء تک انگریزوں کی بھرپور تائید کی جب کہ مسلم لیگ گول مول

وعدے وعید میں مصروف رہی۔ اسکندر نے پنجاب کا دورہ کیا اور نئے رنگروٹ فوج میں بھرتی کیے۔ سکندر نے انگریز حکومت کی بھرپور حمایت کی یقین دہانی کرائی اور مدد بھی کی۔۳۵

یہی حال سکندر کے بعد خضر حیات کا رہا۔ انہوں نے بھی انگریز حکمرانوں کی خدمت بجالائی۔ اسکندر جب تک زندہ رہے، انہوں نے قائداعظم کے ساتھ سخت رویہ اختیار رکھا اور ان کو پنجاب کے معاملات سے دور رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ باہر والے پنجابیوں کی اندرونی معاملات میں دخل نہ دیں اور پنجابیوں کو امن سے رہنے دیا جائے۔۳۶

خضر حیات وزیر اعلیٰ پنجاب

دسمبر ۱۹۴۲ میں سر سکندر حیات خان کے انتقال کے بعد خضر حیات خان ٹوانہ کی حکومت بنی تو صوبہ کے سیاسی حالات میں خاصی تبدیلی آ چکی تھی۔ اب مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی حیثیت محض فرقہ پرستانہ مذہبی مطالبہ کی نہیں رہی تھی بلکہ اس کی حیثیت مسلم قومیت کے مطالبہ خود اختیاری کی ہو گئی تھی۔۳۷

پنجاب کے مسلم جاگیرداروں کے اہم دھڑے کی خضر حیات ٹوانہ کے خلاف بغاوت

اگرچہ خضر حیات ٹوانہ نے بر سر اقتدار آنے کے فوراً بعد دہلی جا کر قائداعظم محمد علی جناح سے اس امر کی یقین دہانی کرا لی تھی کہ صوبہ میں اکتوبر ۱۹۳۷ء کے سکندر جناح پیکٹ پر عمل ہوتا رہے گا۔ یعنی یونینسٹ پارٹی کی مخلوط حکومت جاری رہے گی۔ تاہم اس مسئلہ پر یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان میں پھوٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ مسلم جاگیرداروں کے ایک دھڑے کے لیے خضر حیات کی قیادت قابلِ قبول نہیں تھی۔ ان کا بطور صوبائی وزیر اعلیٰ انتخاب یونینسٹ اسمبلی پارٹی یا مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے نہیں کیا تھا بلکہ چھوٹو رام کے اعلان کے بعد گورنر سر برٹرنڈ گلینسی نے انہیں وزارت سازی کی دعوت دے دی تھی۔۳۸

مسلم لیگ کے جس دھڑے کو خضر حیات خان کی اس طرح نامزدگی منظور نہیں تھی، اس میں سر شاہ نواز مرحوم کا بیٹا نواب افتخار حسین خان آف ممدوٹ، احمد یار دولتانہ مرحوم کا

بیٹا ممتاز دولتانہ اور سر سکندر حیات خان مرحوم کا بیٹا شوکت حیات زیادہ سرگرم تھے۔ جب سرسکندر کا انتقال ہوا تھا اس وقت شوکت حیات فوج میں ملازم تھا لیکن اسے اپنے والد کی گراں قدر خدمات کے انعام کے طور پر فوج سے فارغ کر کے صوبائی وزارت کا رکن بنا دیا گیا تھا۔ مسلم جاگیرداروں کے اس دھڑے کی جانب سے خضر حیات خان کی مخالفت کی ایک وجہ تو جاگیرداروں کی دھڑے بندی کی سیاست میں مضمر تھی اور دوسری یہ وجہ تھی کہ اس دھڑے کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ سٹیفورڈ کرپس کے دورہ ہندوستان کے بعد پنجاب اور برصغیر کے دوسرے علاقوں میں سیاسی ہوا کا رُخ بڑی تیزی سے یونینسٹ پارٹی کے خلاف ہو رہا ہے۔ ۱۹۴۲ء میں کانگرس کے پرتشدد مظاہرہ کی ناکامی کے بعد صدر مسلم لیگ محمد علی جناح کا سیاسی وقار بہت بلند ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ مسلمانوں نے خود ہی مسلم لیگ کی شاخیں قائم کر لی تھیں اور چاروں طرف سے قائداعظم زندہ باد اور ''لے کر رہیں گے پاکستان'' کے نعرے سنائی دیتے تھے۔

۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو سندھ اسمبلی نے سب سے پہلے امتیاز حاصل کیا، جب اس نے ایک قرارداد کے ذریعے اس موقف کا اظہار کیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں، لہٰذا ان کے لیے ایک الگ مملکت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد جب ۱۹۴۳ء میں ہی راجگوپال اچاریہ نے اپنے فارمولے میں مسلم اکثریت کے علاقوں کی بذریعہ رائے شماری علیحدگی کے اصول کو تسلیم کر لیا تو جناح اور گاندھی کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا اور اس طرح یہ حقیقت عملی طور پر تسلیم کی جا چکی تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر ہندوستان کے آئینی اور سیاسی مستقبل کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔۳۹

جناح۔ خضر ملاقاتیں

قائداعظم محمد علی جناح اسی احساس کے ساتھ اپریل ۱۹۴۴ء میں لاہور آئے۔ مقصد یہ تھا کہ پنجاب اسمبلی کے مسلم ارکان میں گزشتہ ایک سال سے ہونے والی دھڑے بندی کا کوئی تصفیہ کیا جائے۔ جناح نے اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ خضر حیات خان سے کئی ملاقاتیں

کیں اور ان کی وزارت کے غیر مسلم ارکان سے بھی بات چیت کی اور بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ پنجاب میں مسلم لیگ پارٹی کا وجود ضروری ہے۔ سر سکندر نے اپنے پانچ سالہ عہد اقتدار میں یہ پارٹی نہیں بننے دی تھی۔ کیونکہ اولاً اس کی یونیسٹ پارٹی کے غیر مسلم ارکان اس پر اعتراض ایک انفرادی حیثیت سے کرتے تھے اور دوئم اسے خود بھی مسلم لیگ کے سیاسی نظریئے سے کلی طور پر اتفاق نہیں تھا۔ لیکن وقت آ گیا تھا کہ اسمبلی میں اس دوغلی پوزیشن کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ جناح نے خضر حیات خان کو حکم دیا کہ مسلم لیگ پارٹی کے ممبر آئندہ کے لیے صرف مسلم لیگ کا سیاسی لیبل اختیار کریں اور غیر مسلم ممبروں کے ساتھ اپنی کولیشن کو ''مسلم لیگ کولیشن وزارت'' کا نام دیا جائے۔ مگر خضر حیات نہ مانے اور وہ اکتوبر ۱۹۳۷ء کے سکندر پیکٹ کی پابندی پر مصر رہے اور انہوں نے ۲۶ اپریل کو شوکت حیات خان کو اپنی وزارت سے برطرف کر دیا۔ جناح نے ان سے اس حکم عدولی کی تحریری جواب طلبی کی، جس کا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ انہیں ۲۷ مئی ۱۹۴۴ء کو مسلم لیگ سے خارج کر دیا گیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل کی اس کارروائی کے بعد خضر وزارت اور صوفی عبدالحمید اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے اور صوبائی اسمبلی میں ۲۳ مسلم لیگی ارکان کی ایک حزب اختلاف جماعت کی تشکیل ہوئی۔[۴۰]

جناح کی جانب سے پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے خلاف اس تادیبی کارروائی سے صوبہ کے مسلم تعلیم یافتہ درمیانہ طبقہ میں قائداعظم کے سیاسی تدبر اور جرأت کی دھاک بیٹھ گئی۔ یہ وہی جناح تھے جنہیں ۱۹۳۶ء کے اوائل میں سر فضل حسین نے لیگ پارلیمانی بورڈ بنانے کی اجازت نہیں دی تھی اور انہیں کہا تھا کہ ''پنجاب کو ہاتھ مت لگاؤ'' اور یہ وہی جناح تھے جن کو سر سکندر حیات خان نے اپنی ۱۱ مارچ ۱۹۴۱ء کی تقریر میں بالواسطہ طور پر متنبہ کیا تھا کہ پنجاب کے معاملات میں کسی غیر پنجابی کی مداخلت کو برداشت نہیں کیا جائے گا اور اب ۱۹۴۴ء میں یہ وہی جناح تھے جنہوں نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ خضر حیات ٹوانہ کو جس کی پشت پناہی گورنر گلینسی اور اسمبلی کے غیر مسلم ارکان کا ایک طاقتور گروہ کر رہا تھا، اپنی جماعت سے خارج کر کے اسے سیاسی معرکہ آرائی کے لیے چیلنج کیا تھا۔ جناح نے یہ

کارروائی اس لیے کی تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ جنگ ختم ہونے والی ہے اور اس کے فوراً بعد عام صوبائی انتخابات ہوں گے جو گزشتہ دو سال سے معرض التوا میں پڑے ہوئے تھے۔ پنجاب کے ان متوقع انتخابات میں مسلم لیگ کا یونیسٹ پارٹی سے الگ جماعت کی حیثیت سے حصہ لینا ضروری تھا تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ مسلم لیگ واقعی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اس سے تصفیہ کئے بغیر ہندوستان کے آئینی و سیاسی مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔[۴۱]

عائشہ جلال(*Jinnah: The Sole Spokesman*) میں رقم طراز ہیں کہ سکندر کی وفات کے بعد جناح نے پنجاب میں نمایاں اہمیت حاصل کر لی تھی۔ قائداعظم کو اس بات کا احساس تھا کہ اب پنجاب میں انہیں ایک کمزور حریف سے مقابلہ کرنا ہے۔ اِس لیے انہوں نے بمبئی کا آرام دہ گھر چھوڑ کر لاہور آنے کا اور یہاں رہائش اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔[۴۲]

انگریز حکمران کی خط و کتابت اور سیاست دانوں پر ان کا تجزیہ

سر برٹرنڈ گلینسی نے مارکیوس آف لنلتھگو کو بتاریخ ۱۵ مارچ ۱۹۴۳ء لاہور سے خط لکھا۔

اس خط میں اُس نے رپورٹ دی کہ پنجاب میں کوئی خاص معاملات نہیں تھی اس کی اس سے پہلی والی رپورٹ کے بعد، بس گاندھی کی بھوک ہڑتال سے تھوڑے بہت لوگوں میں جوش جذبہ اُبھرا۔

انہوں نے لکھا کہ آپ جانتے ہیں کہ وزیر اعلیٰ (خضر حیات خان ٹوانہ) مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کرنے دہلی گئے ہوئے ہیں، وہاں ان پر خاصہ مشکل وقت آیا ہوا ہے۔ جناح چاہتے ہیں کہ پنجاب میں مسلم لیگ کا اثر و رسوخ ہو اور یہ بات واضح کر دی ہے کہ یونینسٹ صرف زبانی کلامی ان کے ساتھ ہے۔ عملی طور پر وہ یونینسٹ مسلم لیگ کا کسی قسم کا ساتھ نہیں دے رہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب قائداعظم کی قیادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ جناح سکندر معاہدہ جو ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں طے پایا تھا اُس کا حوالہ بھی دیتے ہیں جس کے تحت ''یونینسٹ'' مسلم لیگ کی برتری آل انڈیا کی سطح پر تسلیم کرتی ہے۔

اور یونینسٹ کم از کم پنجاب کی سطح پر اپنا ایک نقطۂ نظر رکھے خضر نے اس بات کا اعادہ کیا کہ فی الحال وہ اس معاہدہ پر کاربند ہے۔ وہاں ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں اس بات کی وکالت کی گئی کہ پنجاب میں مسلم لیگ اپنے مؤثر کردار سے فی الحال پیچھے ہٹ جائے۔

وزیر اعلی فی الوقت ان کو روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مگر آگے ان کے راستے میں بہت سے مسائل ہیں۔ جناح نے بہت ہی صاف الفاظ میں پنجاب کے گورنر برٹرنڈ گلینسی کی بھی کھنچائی کی کہ اس نے قانون شکنی کی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کی نامزدگی کے معاملہ میں اس نے مسلم لیگ سے کوئی مشورہ نہیں کیا اس حوالے سے وہ بہت حیران ہوئے، جب ان کی توجہ گورنر کے ہدایت نامہ پر کرائی گئی۔[۴۳]

سر برٹرنڈ گلینسی (پنجاب کا گورنر) مارکیوس آف لینلتھگو کو بتاریخ ۱۵ مارچ ۱۹۴۳ء لکھتے ہیں:

سر برٹرنڈ گلینسی کہ پنجاب میں سیاسی طور پر سکون ہے۔ اس کو ڈر صرف جناح سے ہے۔ شوکت حیات نے گلینسی کے گوش گزار کیا تھا کہ دہلی میں لینلتھگو نے ان سے ملاقات کی۔ اور جس طرح آپ نے شوکت کی حوصلہ افزائی کی وہ اس کا مشکور ہے۔ جناح کے مقابلہ میں شوکت حیات کے ساتھ کافی تلخ اور اس پر حاوی تھے، ان کا ٹھیک ٹھاک دباؤ تھا۔ جناح نے شوکت سے کہا کہ وہ فوج میں واپس جائے اور بھول جائے مسلم لیگ کے ٹکٹ کو پنجاب اسمبلی کے لیے یہ ٹکٹ وہ صرف خوشامد اور زیر زمین کارروائی سے جیت سکتا ہے۔[۴۴]

جناح نے کہا شوکت کی نامزدگی وزیر کے لیے، جمہوریت کے لیے بے عزتی کا باعث ہے۔ انہوں نے ایک عجیب بات کہی کہ گورنر بڑے بے چین ہیں کہ وہ یہ معلومات مسلم لیگ تک پہنچائیں، مگر خضر اور ان کے ساتھیوں نے اس پر اعتراض کیا۔ یہ سب اس لیے کیا گیا کہ شوکت غصہ میں آئے مگر شوکت نے گلینسی کو بتایا کہ انہوں نے درگزر سے کام لیا۔ شوکت جناح کی اس ملامت کی بوچھاڑ سے خوش نہ تھے۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ الیکشن میں اپنے علاقہ اٹک سے حصہ لیں گے۔ اٹک میں نواب مظفر خان کی نشست خالی ہوئی تھی کیونکہ وہ صوبائی پبلک سروس کمیشن کے عہدہ پر

مقرر ہو گئے تھے۔۴۵

سکندر-جناح پیکٹ

شوکت نے نشست کے لیے درخواست دی اور اس نے سکندر-جناح معاہدے کی شقوں کے تحت ایسا کیا۔ مسلم لیگ ٹکٹ پر شوکت حیات اپنے علاقہ اٹک سے کھڑے ہوئے۔ گلینسی لکھتا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ ان کا یہ فیصلہ عقل مندی پر مبنی نہیں ہے۔ کیوں کہ کھٹڑ قبیلہ شوکت حیات کے مخالف ہے مگر یہ بہت مہنگا اور غیر یقینی معاملہ ہے۔

گلینسی لکھتا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ مسلم لیگ کی مجلس عمل کیا فیصلہ کرتی ہے۔ کیا وہ اس کو وہ ٹکٹ دیتی ہے جس کی اس نے فرمائش کی ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ جناح مجلس عمل کے فیصلہ کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے۔ البتہ جناح کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔۴۶

خضر میں خود اعتمادی نہیں ہے کہ جناح سے جھگڑا کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کا نعرہ زور پکڑتا جا رہا ہے اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے یونینسٹ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر یونینسٹ کو بیچ سکتے ہیں۔ ایک پریشانی جو مجھے نظر آ رہی ہے وہ اسکندر-جناح معاہدہ کا متن ہے جو کہ مبہم غیر واضح الفاظ کا مرقع ہے اور یہ میرے نزدیک ناپسند ہے۔ بدقسمتی سے جناح کے لیے آسان ہے کہ وہ اس بے ترتیب الفاظ کے مسودہ سے رخ بدل کر اپنی بات نکال لے اور یونینسٹ کے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ اس میں کوئی ایسی اطمینان والی شق نہیں ہے جس سے مرکزی مسلم لیگ کے مختار کار کو پنجاب کے معاملات سے دور رکھ سکیں۔۴۷

سر سکندر کے انتقال کے بعد اور اس کے نتیجہ میں یہ خوف ختم ہو گیا کہ کوئی مضبوط جماعت مسلمانوں کے خلاف ہے۔ مسلم لیگ کی مختلف منسٹری صوبوں میں اور پنجاب کا کمزور وزیر اعلیٰ، سب پر اس کی کم زوری واضح کر دی اور پاکستان کے ایک مضبوط حصہ پر ایک کم زور طبیعت والے شخص کا قبضہ ہے۔۴۸

اگر ہم اس وقت کے چار سالوں کا بغور مطالعہ کریں کہ برطانوی نمائندوں نے

مسلمانوں کے ساتھ کیا رویہ اپنائے رکھا، تو جناح اس نتیجہ پر پہنچے کہ برطانیہ کے ملازم مسلمانوں کو کچھ دینے کے لیے تیار نہ تھے وہ صرف مسلمانوں کی عظمت کی بات کرتے، ان کی خدمات کو جو جنگ کے دوران انہوں نے خلوص سے ادا کی، ان کو سراہا یعنی سارا خرچہ انہوں نے زبانی کلامی رکھا۔۴۹

مرکز میں کانگرس انگریزوں کے ساتھ حکومت بنانے میں تعاون نہیں کر رہی تھی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو دعوت نہیں دی کہ وہ مرکز میں حکومت بنائے۔ انگریز کرپس مشق کی ناکامی جو کانگرس کے تعاون نہ کرنے کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہیں کہا کہ آؤ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں اور حکومت کی مشینری تمہارے تعاون سے چلاتے ہیں۔

جناح بہت سے معاملات میں خاموش رہے، کیونکہ کہ ان کے پاس وہ طاقت نہیں تھی کہ بانگ دہل کچھ کہہ سکتے، جب ان کو احساس ہوا کہ اب حالات ان کے حق میں ہیں تو وہ مسلمانوں کے حق کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔۵۰

گلینسی نے لکھا کہ خضر جو پنجاب کے نئے وزیر اعلیٰ ہیں۔ مجھ سے ملنے آئے۔ وہ پنجاب کی حالت سے مطمئن نہیں تھے۔ مسلمان پاکستان کی طرف مائل ہیں کیونکہ اس میں مذہب اسلام کا عنصر ڈالا گیا ہے جو اس قدر بھرپور ہے کہ لوگ کسی کی کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں۔ خضر میں سکندر حیات جیسی بات نہ تھی، نہ وہ تجربہ تھا۔ وہ (سکندر) نہ میری سنتا تھا نہ کسی کی اور جناح کے خلاف بھی ٹھیک ٹھاک طریقے سے کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ سکندر کی زندگی کوئی بڑی اطمینان والی نہیں تھی۔ جب شوکت حیات کو اس نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

خضر کو سمجھ نہیں آ رہا کہ وہ کہاں جائے کیوں کہ پاکستان کے لیے پنجاب کی عوام ایک جذباتی مذہبی بہاؤ میں ہے اور اس نے گلینسی سے التجاء کی کہ جناح سے پوچھا جائے کہ اس کے پاکستان کا نقشہ کیا ہو گا۔ اس کے خدوخال کو واضح کرنے کیلئے ملکہ برطانیہ جناح سے پوچھے اور وہ رد کر دیا جائے۔ گلینسی نے (خضر) پر واضح کر دیا کہ فی الحال ان باتوں کا ابھی وقت نہیں آیا۔

ابھی ہمارا کام اس نہج پر بات چیت کا نہیں۔ یہ کام ہندوستان کے عوام نے خود اپنی مرضی سے طے کرنا ہے اور یہ معاملات جنگ کے اختتام پر غور کیے جائیں گے۔۵۱

فیلڈ مارشل وِسکاونٹ ویول نے ۶ جون ۱۹۴۴ء کو ایمری(Amery) کو خط لکھا کہ پنجاب کے حالات پر سکون ہیں۔ خضر نے ایک تفصیلی بیان دیا کہ مسلم لیگ سے نکالے جانے پر جس میں انہوں نے احتجاج کیا ہے کہ مسلم لیگ سکندر جناح معاہدے کا احترام نہیں کر رہی۔ ویول لکھتا ہے کہ خضر کی بات میں وزن ہے مگر مسلم لیگ اس بات پر کوئی توجہ نہیں دے گی۔ ایک نجی گفتگو میں گوگیندرہ سنگھ(Gogendra Singh) نے جنکنز کو بتایا کہ خضر ٹوانہ کو ڈر ہے کہ اب تفرقہ بازی میں اضافہ ہو گا۔ مسلم لیگ کی سیاست میں فرقہ واریت کا بہت عمل دخل ہے اور مسلم وزیر اعلیٰ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ فرقہ واریت کی اس آگ کی روک تھام کر سکے۔ ویول لکھتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ وزیر اعلیٰ نے اپنی رائے سے گورنر کو مطلع کیا ہے یا نہیں۔ ویول مزید لکھتا ہے کہ میں ان دونوں یعنی جنکنز (گورنر) اور خضر وزیر اعلیٰ) سے شملہ (کشمیر) میں ملاقات کروں گا۔۵۲

خضر حیات ٹوانہ مسلم لیگ سے نکالے جانے پر خاصے جُزبُز ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلم لیگ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تھی۔ یونینسٹ جب کہ صرف پنجاب تک محدود تھی۔ پھر ۱۹۴۰ء کے بعد یونینسٹ سے مسلمان ممبران کی تعداد گھٹتی جا رہی تھی اور وہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر رہے تھے ایسے میں خضر حیات طاقت کے پلڑے یعنی مسلم لیگ سے جدائی ایک طرح کی مات تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح یونینسٹ کے مسلم ممبران پر زور دے رہے تھے کہ وہ یونینسٹ کو خیرباد کہہ کر پوری طرح مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کریں تا کہ مسلم لیگ پنجاب میں ایک فعال جماعت بن کر اُبھرے۔ خضر حیات ٹوانہ بضد تھے کہ سکندر۔جناح معاہدے کی رُوح سے وہ دونوں جماعتوں کے ممبر ہیں۔ قائداعظم نے اس کا یہ حل نکالا کہ وہ انہیں مسلم لیگ سے باقاعدہ طور پر نکال دیں۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔۵۳

خضر حیات کو اس کا افسوس تھا، کیونکہ وہ اب خود کو مسلمانوں کی اکثریت کا نمائندہ

نہیں کہہ سکتا تھا۔ اب اس کی وزارت کو بھی خطرہ تھا کیونکہ پنجاب اسمبلی میں مسلمان نمائندوں کی اکثریت مسلم لیگ میں شامل ہو گئی تھی۔ اس وقت کی سیاسی مصلحتوں کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہوں تا کہ وہ متحد ہو کر پاکستان کے لیے خطہ زمین حاصل کر سکیں۔۵۴

انتخابات ۱۹۳۷ء

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں خضر ٹوانہ نے خوشاب سے حصہ لیا۔ یہ الیکشن ۱۹۳۷ء کے اوائل میں ہوئے۔ اِس مہم میں عمر حیات ٹوانہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے ٹوانہ اور نون برادری سے مدد مانگی۔ دونوں برادریاں خوشاب تحصیل کی تقریباً 85,000 ایکڑ زمین پر قابض تھیں۔ البتہ اعوان قوم کی آبادی20,000 تھی۔ اعوانوں کا نمائندہ آسانی سے الیکشن جیت سکتا تھا مگر خضر نے اس کے پر کاٹ دیئے اور اس کو دس ہزار روپے کے عوض الیکشن سے دست بردار ہونے کا سودا کیا۔ وہ یہ رشوت لے کر انتخابات سے علیحدہ ہو گیا اور یوں خضر حیات ٹوانہ بغیر مقابلے کے خوشاب سے پنجاب اسمبلی کے نمائندہ قرار دیئے گئے۔۵۵

پنجاب کی سیاست

۱۹۳۷ء کے الیکشن کے بعد سر سکندر ایک مشکل میں پڑ گئے۔ الیکشن کے بعد انہوں نے ملک خضر حیات ٹوانہ کو اپنی وزارت میں شامل کیا۔ یہ سکندر حیات کے مخالفین میں سے تھے اور سر عمر حیات خان ٹوانہ شاہ پور کے صاحبزادے تھے، جو سرگودھا کے پاس ہے اور سرگودھا کی تحصیل ہے۔ یہ منسٹری کی پیش کش دراصل سرگودھا کے نون اور ٹوانہ خاندان کو مطمئن کرنے کے لیے تھی۔ سر فضل حسین کے انتقال کے بعد سکندر حیات کو سرگودھا کے ٹوانہ کو ساتھ لے کر چلنا تھا ورنہ وہ سکندر حیات کے لیے مشکلات پیدا کر دیتے۔

سکندر حیات نے پینڈرل مون کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ پنجاب پر بڑا کڑا وقت تھا۔ پارٹی کو یکجا رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ سب کو کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ اس نظریہ ضرورت کے تحت ٹوانہ اور نون کو وزارت میں عہدے دیئے گئے۔۵۶

نواب مشتاق احمد خان گرمانی نے کہا کہ یہ پارٹی کے لیے نہایت مشکل وقت تھا۔ کیونکہ یہ گروپ خود غرض اور مطلبی تھا۔ اگر پارٹی ان کی خواہشات کو نظرانداز کرتی تو یہ واویلا مچا دیتے۔ یہ پارٹی کی نہایت مہلک پالیسی تھی۔ سرسکندر حیات کی دسمبر ۱۹۴۲ء میں اپنے بچوں کی شادی کے دوران طبیعت خراب ہوئی۔ ان کو دل کا دورہ پڑا اور ان کی رحلت ہو گئی۔ سیاسی طور پر سکندر میں یہ قابلیت تھی کہ وہ سیاست کی اکھاڑ پچھاڑ کو سمجھتے تھے اور پھر تمام تر مخالفت کے باوجود کس طریقہ سے اپنے حلیف کو ساتھ لے کر چلنا ہے ان کو سیاست کی اس بَل پیچ سیڑھی کا ادراک تھا۔ جب سکندر کا انتقال ہوا تو پارٹی کے اندر جو لاوا پک رہا تھا ایک دوسرے کے خلاف جو عداوت تھی وہ کھل کر سامنے آئی۔ گو کہ پارٹی کی صدارت خضر حیات ٹوانہ کے ہاتھ آ گئی اور یوں وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بن گئے جو کہ سکندر حیات نے سرگودھا کے نون اور ٹوانہ گروہ کو خوش کرنے کے لیے اقدام اٹھایا تھا۔ اب جب ٹوانہ وزیر اعلیٰ پنجاب ہو گئے تو سکندر کے اپنے متعلق گروہ کو یہ بات بہت بری لگ رہی تھی۔۵۷

خضر نے سکندر کے اس گروہ کو خوش کرنے کے لیے سکندر کے صاحب زادے شوکت کو وزارت میں عہدہ دے دیا گو کہ اوپر اوپر سے پارٹی ''سب اچھے'' کی تصویر بنی ہوئی تھی مگر اندر ہی اندر ایک چپقلش کا دور دورہ بھی مسلسل گردش میں رہا۔

ان دنوں پنجاب کا گورنر گلینسی تھا۔ وہ مسلم لیگ شاندار کامیابی سے سخت سیخ پا ہوا، لیکن جمہوری اقدار کو وہ کس طرح روند سکتا تھا۔ بالخصوص وہ اقدار جو انگریز نے خود ہی متعین کر کے بھیجی ہوں۔ مسلم لیگ کی شاندار کامیابی کے باوجود سربرٹرنڈ گلینسی نے یونینسٹ پارٹی جس نے کل آٹھ نشستیں حاصل کی تھیں کے سربراہ سر خضر حیات ٹوانہ کو وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔ حالانکہ آئینی طور پر یہاں پنجاب میں مسلم لیگ کی وزارت بننا ضروری امر تھا۔ لیکن گورنر نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کو وزارت سے محروم رکھنے کا عزم کیے رکھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر پورے پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اور خضر حیات ٹوانہ کے خلاف زبردست جلوس نکالے گئے شہر میں عام ہڑتالیں ہونے

لگیں اور خضر حیات خان مردہ باد کے نعرے لگنے لگے۔ نتیجہ یہ تھا کہ یونینسٹ پارٹی حکومت چلانے میں ناکام رہی۔۵۸

فیروز خان نون کا خضر حیات ٹوانہ کے متعلق رائے:

فیروز خان نون چشم دید لکھتے ہیں: لاہور میں سرکاری فضا مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف تھی۔ فی الواقع یہ بڑی بدقسمتی تھی کہ سوئے اتفاق سے ایسے حالات پیدا ہو گئے جن سے تقسیم کے وقت پاکستان کو ناسازگار واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ سر ایوان جینکنز کا تقرر انڈین سول سروس میں شمولیت اختیار کرنے کے بعد جینکنز کی تقرری مشرقی پنجاب میں ہوئی، جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ چنانچہ ان میں غیر مسلموں کے لیے ہمدردی کے جذبات رفتہ رفتہ بڑھتے گئے۔ لارڈ ویول، وائسرائے مقرر ہوئے تو جینکنز کو ان کا پرائیویٹ سیکرٹری بنایا گیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے آقا کے جذبات جو ملک کی جغرافیائی اور فوجی تقسیم کے مخالف تھے کو اپنے اوپر بھی طاری کر لیے۔ جب انہیں پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا تو ان کے وزیر اعلیٰ سر خضر حیات خان ٹوانہ بھی پاکستان کے مخالف تھے۔ فیروز خان نون مزید لکھتے ہیں کہ انہیں کسی نے بتایا کہ سر خضر حیات برطانیہ گئے تھے تو وہاں انھوں نے مسٹر چرچل اور وزیر ہند کے علاوہ اعلیٰ حضرت شاہ برطانیہ سے بھی ملاقات کی اور ان سب نے فرداً فرداً یقین دلایا کہ ملک تقسیم نہیں ہو گا۔ یہ ان لوگوں کی بدقسمتی کہ لیبر حکومت قائم ہو گئی اور سر خضر حیات اس تبدیلی کا ادراک نہ کر سکے۔۵۹

فیروز خان نون چشم دید میں لکھتے ہیں کہ برطانوی حکام نے پنجاب یونینسٹ پارٹی کو یقین دلایا کہ برطانیہ ہندوستان کو نہیں چھوڑے گا۔

لندن میں ۱۹۳۶ء میں ہندوستان کے ہائی کمشنر کا منصب قبول کرنے سے پہلے فیروز خان نون دس سال تک صوبہ پنجاب کے منتخب وزیر رہ چکے تھے۔ لندن میں اپنے سرکاری فرائض کی بدولت انہیں بین الاقوامی شخصیتوں سے تعلق پیدا کرنے اور بین الاقوامی امور کو سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ انہیں ستمبر ۱۹۴۱ء میں وائسرائے کی کابینہ کے لیے منتخب کیا گیا

تھا۔ اس وقت انہیں احساس ہوا کہ مرکزی حکومت میں رہتے ہوئے وہ ملک کی بہتر خدمات کر سکتے ہیں اور صوبائی سطح پر نئے لوگوں کو آنا چاہیے۔ اس وقت وہ دہلی میں ہی رہنا چاہتے تھے۔ لٰہذا انہوں نے سر برٹرنڈ گلینسی کو مشورہ دیا کہ وزارت اعلیٰ کے منصب کے لیے سر خضر حیات ٹوانہ کو دعوت دیں کیونکہ نون کی رائے میں وہ صوبائی اسمبلی میں اکثریتی ارکان کا مطلوبہ تعاون حاصل کر لیں گے اور ایک اچھے وزیر اعلیٰ ثابت ہوں گے۔٦٠

اسی لیے فیروز خان نون نے جب وزارت سے استعفیٰ دیا اور لاہور آئے تو سب سے پہلے سر خضر حیات سے ملاقات کے لیے گئے اور انہیں پنجاب مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دی اورمشورہ دیا کہ وہ پاکستان کے لیے جد و جہد کریں۔ فیروز خان نون لکھتے ہیں: میں نے انہیں یقین دلایا کہ آپ کو اپنے منصب سے محرومی کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں آپ کا حریف بننا ہرگز گوارا نہیں کروں گا، بلکہ اس کے برعکس آپ کی بھرپور حمایت کروں گا۔"

فیروزخان نون مزید لکھتے ہیں: "یہ بات واضح طور پر نظر آ رہی تھی کہ انگریز ہندوستان چھوڑ دیں گے اور اب اس کا انحصار ہم مسلمانوں پر تھا کہ ہم ہندوستان کا بٹوارہ کر کے پاکستان بنوائیں لیکن چند بہت بڑے برطانوی حکام نے پنجاب یونینسٹ پارٹی کو یقین دلایا تھا کہ برطانیہ ہندوستان نہیں چھوڑے گا اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہندوؤں اور سکھوں کے تعاون سے حکومت کی تشکیل میں کامیاب ہو جائیں گے اگرچہ اس حکومت میں مسلمانوں کی تعداد بہت مختصر ہو گی۔ ان حکام کو غالباً یہ علم نہ تھا کہ لندن میں کیا ہو رہا ہے اور اگر انہیں علم تھا بھی تو سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ حقائق کو اپنے دوستوں سے آخری لمحے تک اس توقع کے تحت چھپایا جائے کہ پاکستان نہیں بنے گا۔ لیکن انگریز آخر ہندوستان سے نکلے۔ رائے عامہ کا احترام ان کے خمیر کا حصہ ہے۔ دوسرے ملکوں میں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے مقبوضہ جات پر تسلط قائم رکھیں یا اپنے دوستوں کی حوصلہ افزائی کریں لیکن یہ سب کچھ اس وقت تک کرتے ہیں جب تک ان کے ملک کی رائے عامہ اس کی اجازت دیتی ہے۔ رائے عامہ خلاف ہو جائے تو وہ فوراً ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔٦١

ظفر اللہ خان کا مؤقف اور خضر حیات ٹوانہ کا استعفیٰ

ظفر اللہ خان اپنی کتاب تحدیث نعمت میں لکھتے ہیں:

یونینسٹ پارٹی کے عناصر میں متواتر تبدیلی آ رہی تھی۔ پارٹی رکنیت میں بتدریج مسلم عنصر کم ہو رہا تھا اور غیر مسلم عنصر بڑھ رہا تھا، صوبے میں مسلم لیگ کی تنظیم مضبوط ہو رہی تھی اور لیگ کا متواتر اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ لیگ نے عدم تعاون کے ذریعہ یونینسٹ پارٹی کو حکومت سے برطرف کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس کوشش میں تو لیگ بظاہر کامیاب نہ ہوئی لیکن رائے عامہ میں مسلم لیگ کی وقعت بہت بڑھ گئی اور شہری حلقوں میں خصوصاً لیگ کا اثر ہر جگہ پھیل گیا۔ قائداعظم نے اس سے قبل ملک صاحب (یعنی خضر حیات ٹوانہ جو اپنے حلقہ احباب میں ملک صاحب کے نام سے جانے جاتے تھے) پر زور دینا شروع کیا تھا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر اور لیگ سے مل کر کام کریں لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے ''سکندر جناح'' پیکٹ کی آڑ لینے کی کوشش کی لیکن قائداعظم نے اس عذر کو تسلیم نہ کیا۔ ملک صاحب کا موقف تھا کہ پاکستان کا مطالبہ مرکز سے متعلق ہے اور ہم سو فیصدی اس کی تائید میں ہیں لیکن صوبے کے حالات کے پیش نظر یونینسٹ پارٹی جو ایک غیر فرقہ وارانہ پارٹی ہے اور جس کی تشکیل اقتصادی مقاصد کی بنا پر رکھی گئی تھی، مسلم حقوق کا بخوبی تحفظ کر سکتی ہے۔ اسی کشمکش کے دوران میں برطانوی وزیر اعظم کا ۲۰رفروری ۱۹۴۷ء کا اعلان ہوا جس کے رو سے پنجاب کے صوبے کے متعلق مرکزی اختیارات صوبائی حکومت کو تفویض ہو سکتے تھے۔ اس وقت تک یونینسٹ پارٹی کی رکنیت میں غیر مسلم اراکین کو اکثریت حاصل ہو چکی تھی۔ اگر اب یہی پارٹی برسر اقتدار رہتی تو مسلم لیگ کے راستے میں اور قیام پاکستان کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ ظفراللہ، ملک سر خضر حیات خان صاحب کو عرصے سے جانتے تھے۔ ظفر اللہ اور ان کے درمیان دوستانہ مراسم تھے۔ جب تک ظفر اللہ حکومت ہند کے رکن رہے۔ گرمیوں کے موسم میں ملک صاحب کے ساتھ شملہ(کشمیر) میں ملاقات کے مواقع میسر آتے رہتے تھے، جب یہ حکومت سے علیحدہ ہو کر فیڈرل کورٹ کے ساتھ نہیں رہے کیونکہ برطانوی وزیر اعظم اٹیلی کے اعلان کے مطابق حکومت کے اختیارات صوبائی حکومتوں کو تفویض ہو سکتے ہیں، لہٰذا پنجاب میں اختیارات حکومت کا ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں ہونا جس کی اکثریت غیر مسلم ہو مطالبہ پاکستان کی کمزوری کا باعث ہو گا۔

رقم طراز ظفر اللہ بیان کرتے ہیں:

دو دن اور دو راتیں اسی کشمکش میں گزاریں۔ رات کو آرام اور سکون سے نہ سو سکا۔ مجھے بہت کم اتفاق ہوا ہے لیکن یہ راتیں میں نے بڑی بے چینی میں کاٹیں۔ آخر تیسری صبح میں نے ملک صاحب کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں ان کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے گزارش کی کہ انہیں اس مرحلے پر وزارت سے استعفیٰ دیکر مسلم لیگ کا راستہ پنجاب میں صاف کر دینا چاہیے اور اس طرح اپنی ذمہ داری سے سُرخرو ہونا چاہیے۔ اس خط کے ارسال کرنے کے تیسرے دن خضر حیات نے فرمایا کہ تمہارا خط مل گیا ہے وہ مشورے کے لیے نواب اللہ بخش سے ملے جو کہ خضر حیات کے عزیز رشتہ دار تھے نواب اللہ بخش صاحب نے فرمایا: مشورہ طلب امر یہ نہیں کہ استعفیٰ کب دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ استعفیٰ اس وقت دیا جائے یا نہیں۔ آج سے ڈیڑھ یا دو ماہ بعد استعفیٰ دینے کا فیصلہ بے سود ہے۔ کیا معلوم اس درمیانی عرصہ میں واقعات کیا ہوں اور کیا مراحل پیش آئیں اور کن حالات کا آپ کو سامنا ہو۔ پھر ایک اور امر بھی قابل غور ہے اگر آپ آج یہ فیصلہ کریں کہ بجٹ پاس کرنے کے بعد استعفیٰ دیں گے اور پارٹی کو یہ بتا دیں تو پارٹی ابھی منتشر ہو جائے گی اگر اس وقت پارٹی کو نہیں بتائیں گے اور ان کی مدد سے بجٹ پاس کرنے کے بعد ان کی خلاف مرضی استعفیٰ دیدیں گے تو گویا آپ نے ان سے فریب کیا کہ ان کی مدد سے بجٹ تو پاس کر لیا اور پھر ان کی خلاف مرضی استعفیٰ دے دیا۔ میری تو یہی رائے ہے کہ اس وقت صرف یہ طے ہونا چاہیے کہ اس مرحلے پر آپ استعفیٰ دیں یا نہ دیں۔ میں اپنی رائے بتا چکا ہوں کہ آپ کو استعفیٰ دینا چاہیے۔ آگے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ اس گفتگو کے بعد نواب مظفر علی خان صاحب چند منٹ ٹھہر کر تشریف لے گئے ملک صاحب نے اسی سہ پہر کیلئے پارٹی کا اجلاس اپنے دولت کدے پر طلب فرمایا اور خود گورنر صاحب سر ایوان جینکنز کو ملنے تشریف لے گئے۔ گورنر سے کہا وزیر اعظم اٹیلی کے اعلان کے پیش نظر میں سوچ بچار کے بعد اس طرف مائل ہوں کہ اس مرحلے پر استعفیٰ دے دینا چاہیے لیکن پختہ فیصلہ کرنے سے پہلے میں نے آج سہ پہر پارٹی کا اجلاس اپنے گھر پر طلب کیا ہے۔

گورنر پنجاب ایوان جینکنز نے ملک خضر خیات سے کہا کہ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے خود بخود یہ رائے قائم کی ہے یا کسی طرف سے آپ کو کوئی تحریک ہوئی ہے۔ اس پر ملک صاحب نے فرمایا کہ فیصلہ تو جو کچھ ہو گا میرا اپنا ہی ہو گا لیکن وزیر اعظم اٹیلی کے اعلان کے نتیجے میں مجھے ظفر اللہ خان نے توجہ دلائی ہے کہ مجھے ایسا کرنا چاہیے۔

خضر حیات ٹوانہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ برطانوی وزیر اعظم کے اعلان کے بعد ان

کے لئے اور کوئی راستہ کھلا نہیں رہا اور اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور ساتھ ہی گورنر صاحب کو مشورہ دیا کہ نواب صاحب ممدوٹ کو بحثیت قائد مسلم لیگ پارٹی کی دعوت دی جائے کہ وہ نئی وزارت تشکیل کریں۔ ملک صاحب کے استعفیٰ کا اعلان ریڈیو پر ہو گیا۔ مسلم لیگی حلقوں میں اس خبر سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور صبح ہوتے ہی شہر بھر میں خضر حیات زندہ باد کے نعرے بلند ہو گئے۔ راجہ غضنفر علی صاحب اور سردار شوکت حیات خان صاحب کی سرکردگی میں بہت سے مسلم لیگ کے سرکردہ اصحاب ملک صاحب کے بنگلے پر تشریف لائے انہیں مبارکباد دی، گلے لگایا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔ اس کے برعکس غیر مسلم حلقوں میں بہت بے چینی پھیل گئی اور ان کی طرف سے مخالفانہ مظاہرے شروع ہو گئے۔ یہ رو صوبے بھر میں پھیل گئی اور بعض مقامات پر افسوس ناک فرقہ وارانہ وارداتیں بھی ہوئیں۔

صوبائی مسلم لیگ قیادت کی طرف سے ملک صاحب پر زور دیا گیا کہ وہ مسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو جائیں۔ انہوں نے وضاحت سے فرما دی کہ وہ سیاست سے الگ رہنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ چاہتے کہ انہیں وزارت یا کسی سیاسی اعزاز یا منصب کا خواہش مند نہ سمجھا جائے۔ مسلم لیگ پارٹی کے متعلق انہوں نے اپنی نیک خواہی کا ثبوت یوں دیا کہ انہوں نے نواب مظفر علی قزلباش کو مشورہ دیا کہ مسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو جائیں چنانچہ وہ شامل ہو گئے۔ ملک سر خضر حیات صاحب کا پہلا موقف درست تھا یا غلط، لیکن اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اس مرحلے پر ان کا استعفیٰ دے دینا ایک نہایت قابل ستائش فعل تھا جس کے نتیجے میں صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کا راستہ صاف ہو گیا اور پاکستان کے استحکام کی صورت پیدا ہو گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بہت سی مشکلات کا امکان تھا۔[۶۲]

استعفیٰ کے بعد خضر حیات سیاست سے مکمل طور پر ریٹائر ہو گئے اور ایسے خاموش ہوئے کہ کسی مسئلے پر کوئی بیان نہ دیا۔ پاکستان بننے کے بعد برسراقتدار اور حکومتوں نے انہیں عہدوں کی پیش کش کی لیکن وہ نہ مانے اور تادم مرگ ایک پر وقار خاموشی اور علیحدگی اختیار کیے رکھی۔[۶۳]

اختتامیہ

اس مقالہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حکومت برطانیہ نے چُن چُن کر ایسے لوگوں کو اقتدار کے منصب پر تعینات کیا تھا جن کی وفاداری پر ان کو کامل یقین تھا۔ ٹوانہ خاندان نے انگریز حکمران کی جہاں تک ممکن ہو سکی مدد کی اور اس کا صلہ بھی پورا پورا پایا۔

ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ کیا انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا کہ نہیں کیونکہ اس علاقے میں مسلمان، ہندو، سکھ سب اس مقابلے میں شامل تھے کہ انگریزوں سے وفاداری کا سٹوفکیٹ حاصل کر کے انعام و اکرام سے نوازے جائیں۔ لہٰذا جس کی جو بھی اوقات تھی وہ اس کے مطابق خدمت بجا لانے کی تگ و دو میں مصروف تھا اور جو مخالفت کرتا اس کو غدار کا لقب دے کر تہہ تیغ کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا۔

طاقت ور سے خود کو جوڑنا، منسوب کرنا اس خطہ کی رگ و پے میں شامل ہے۔ یہ افراد ہر دور میں اپنی تمام تر توانائی طاقتور کا ایندھن بننے میں صرف کر دیتے ہیں اور کبھی بھی کوشش نہیں کرتے کہ اپنی صلاحیتوں اور دولت کو اپنے لوگوں اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر خرچ کریں۔ اپنے لوگوں کو کمّی اور کم تر ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اس غیر منصفانہ رویے کی وجہ سے یہاں کے افراد ترقی پذیر ملکوں کی نچلی سطح پر ہیں۔[۶۴]

خضر حیات ٹوانہ نے جہاں تک ممکن ہوا انگریزوں کا آخری وقت تک ساتھ دیا اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب وہ ہندوستان کو خیرباد کہہ کر نکل رہے ہیں تو وہ وزارت سے علیحدہ ہو گئے۔ خضر کا یہ فیصلہ حکمت پر مبنی تھا۔ اگر وہ یہ فیصلہ نہ کرتے تو پنجاب کی تقدیر غیر مسلموں کے ہاتھ میں چلی جاتی اور کشمیر کے ساتھ ساتھ پنجاب کے مسئلے کا بھی اضافہ ہو جاتا۔ انگریز نے تو جانا تھا مگر ہندوستان کی گود میں فسادات کے انبار چھوڑ جاتا۔ اس لیے خضر حیات جیسا بھی تھا، اس نے ایک صحیح فیصلہ کیا اور پنجاب کے پنجابیوں کو مزید بربادی سے بچایا۔

حوالہ جات

1. Dates of Punjab Governor's E.M. Jenkins taken *The Top,* Vol-XII, London, HMSO, 1983, p. 824. and Sir Bertrand James Glancy date from *TOP,* Vol, VII, London, HMSO, 1977, p. 1108.

۲- عبدالسلام خورشید، وے صورتیں *الٰہی*، لاہور، قومی کتب خانہ، ۱۹۷۶ء، ص ۱۴۸۔

۳- محمد اعظم چودھری، پنجاب اور آزادی کی تحریکیں، کراچی،اُردو اکیڈیمی سندھ، ۱۹۹۸ء، ص۲۶۸۔
۴- سر ڈینزل ابٹسن، (ترجمہ یاسر جواد) پنجاب کی ذاتیں، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص۳۳۲۔
۵- ظہور احمد چوہدری، پنجاب میں برادریوں کی سیاست، ۱۹۴۷ء-۲۰۰۲ء، اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۲۰۱۳ء، ص ص۱۴۶-۱۴۱۔
۶- ایضاً، ص ۱۴۲۔
7. Aysha Jalal, (ed.), *The Oxford Companion to Pakistan History*, Karachi, OuP, 2012, p. 513.
۸- غلام رسول مہر، جنرل سر عمر حیات خان ٹوانہ کے سوانح حیات اور اُن کا خاندانی پس منظر، لاہور، پاکستان ٹائمز پریس، ۱۹۶۵ء، ص ۴۵۹۔
۹- ایضاً، غلام رسول مہر، ص ۴۶۰۔
10. Ian Talbot, *Khizar Tiwana: The Punjab Unionist Party and the Partition of India,* (Karachi: OuP, 2002) 2013, p. 2.
۱۱- آئن ٹالبوٹ،(ترجمہ:طاہر کامران) خضر حیات ٹوانہ پنجاب یونینسٹ پارٹی اور تقسیم ہند، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص ۲۵۔
۱۲- ایضاً، آئن ٹالبوٹ، ص ص ۲۰-۲۱۔
13. Ian Talbot, *Khizar Tiwana:* pp. 45-47.
۱۴- اسد سلیم شیخ، انسائیکلو پیڈیا تحریک پاکستان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۴۳۷۔
۱۵- آئن ٹالبوٹ،(ترجمہ:طاہر کامران) تاریخِ پنجاب ۱۸۴۹ء-۱۹۴۷ء، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۶ء، ص ۷۵۔
۱۶- زاہد چودھری، مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء، لاہور، ادارہ مطالعہ تاریخ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۷۔
۱۷- ایضاً، زاہد چودھری، ص ۳۶۵۔
۱۸- ایضاً، زاہد چودھری، ص ۳۶۴۔
۱۹- ایضاً، زاہد چودھری، ص ۳۷۴۔
۲۰- ایضاً، زاہد چودھری، ص ۳۸۳۔
۲۱- ایضاً۔
۲۲- ایضاً۔
۲۳- ظہور احمد چوہدری، پنجاب میں برادریوں کی سیاست ۱۹۴۷ء-۲۰۰۲ء، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، ص

۱۵۷۔

۲۴- ایضاً، ظہور احمد چوہدری، ص ۱۴۵۔

۲۵- ایضاً، ظہور احمد چوہدری، ص ص ۱۶۰-۱۶۱۔

۲۶- ایضاً، ظہور احمد چوہدری، ص ۱۴۲۔

۲۷- ایضاً، زاہد چودھری، ص ۱۰۸۔

۲۸- ایضاً۔

۲۹- ایضاً۔

۳۰- ایضاً۔

۳۱- طاہر کامران، *تاریخ پاکستان*، ص ۱۸۸۔

۳۲- ایضاً، ص ۱۸۹۔

۳۳- ایضاً۔

۳۴- آئن ٹالبوٹ، *خضر حیات ٹوانہ*، ص ۱۱۴۔

۳۵- آئن ٹالبوٹ، *خضر حیات ٹوانہ*، ص ۱۱۵۔

۳۶- آئن ٹالبوٹ، *خضر حیات ٹوانہ*، ص ۱۱۹۔

۳۷- چودھری زاہد، *مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقا*، ص ۳۶۱۔

38. Mary Louise Becker, *The All-India Muslim League, 1906-1947, A Study of Leadership in the Evolution of a Nation,* Karachi, OuP, 2013 p. 252.

۳۹- زاہد چودھری، *مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء*، ص۳۶۲۔

۴۰- ایضاً،ص۳۶۳۔

۴۱- ایضاً،ص۳۶۴۔

42. Ayesha Jalal, *The Sole Spokesman Jinnah The Muslim League & the Demand for Pakistan,* Cambridge, Cambridge University Press, 1985, p. 84

43. Nicholas Mansergh (ed.), *The Transfer of Power 1942-47,* Vol. III, London, Her Majesty's Stationery Office, 1971, p. 809.

۴۴- *ٹرانسفر آف پاور*، جلد III، ص ۸۰۹۔

۴۵- ایضاً، ص ۸۹۸۔

۴۶- ایضاً۔

۴۷- ایضاً، برٹرینڈ گلینسی، گورنر پنجاب کا مراسلہ، مارکیوس آف لنلتھگو بتاریخ ۱۷ اپریل،

۱۹۴۳ء،ص ۸۹۹۔

۴۸- ایضاً،ٹرانسفر آف پاور، جلد III، ص ۹۱۸۔

۴۹- ایضاً،ص ۹۱۸۔

۵۰- ایضاً۔

۵۱- ایضاً،ص ۹۴۰۔

۵۲- فیلڈ مارشل وسکاؤنٹ کا مراسلہ بنام ایمری جو کہ انڈیا کا سیکریٹری آف سٹیٹ تھے۔

53. David Gilmartin, *Empire and Islam, Punjab and Making of Pakistan,* London, I.B. Touris and Co, Ltd., 1988, p 187.

54. Mary Louise Becker, *The All India Muslim League 1906-1947*, p.253.

۵۵- آئن ٹالبوٹ،خضر ٹوانہ،ص ۹۳۔

56. David Glimartin, *Empire and Islam, Punjab and the Making of Pakistan,* p. 148.

57. *Ibid.*

۵۸- سید اصغر علی شاہ جعفری، تاریخ پنجاب، لاہور، نیو بک پیلس: ت۔ن (تاریخ ندارد)،ص ۴۱۷۔

۵۹- فیروز خان نون،چشم دید، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۷۷ء،ص ۴۱۷۔

۶۰- ایضاً، ص ص ۲۷۴-۲۷۵۔

۶۱- ایضاً، ص ص ۲۴۷-۲۷۵۔

۶۲- محمد ظفراللہ خان،تحدیث نعمت، ڈھاکہ، ڈھاکہ بے نیولینٹ ایسو سی ایشن، دسمبر ۱۹۷۱ء، لاہور، جسارت پرنٹرز، ۱۹۷۱ء، ص ص ۴۹۳-۴۹۷۔

۶۳- عبدالسلام خورشید، وے صورتیں الٰہی، ص ۱۵۰۔

۶۴- ظہور احمد چوہدری، پنجاب میں برادریوں کی سیاست، ص ص،۳۰-۳۱۔